تفہیم القرآن
الاخلاص
(۱۱۲)

# الاخلاص

**نام** الاخلاص اِس سورہ کا محض نام ہی نہیں ہے بلکہ اِس کے مضمون کا عنوان بھی ہے، کیونکہ اس میں خالص توحید بیان کی گئی ہے۔ قرآن مجید کی دوسری سورتوں میں تو بالعموم کسی ایسے لفظ کو اُن کا نام قرار دیا گیا ہے جو اُن میں وارد ہوا ہو، لیکن اِس سورہ میں لفظ اخلاص کہیں وارد نہیں ہوا ہے۔ اِس کو یہ نام اِس کے معنی کے لحاظ سے دیا گیا ہے۔ جو شخص بھی اِس کو سمجھ کر اِس کی تعلیم پر ایمان لے آئے گا وہ شرک سے خلاصی پا جائیگا۔

**زمانۂ نزول** اِس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، اور یہ اختلاف اُن روایات کی بنا پر ہے جو اس کے سببِ نزول کے بارے میں منقول ہوئی ہیں۔ ذیل میں ہم اُن کو سلسلہ وار درج کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ قریش کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اپنے رب کا نسب ہمیں بتایئے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی (طَبَرانی)۔

(۲) ابوالعالیہ نے حضرت اُبَیّ بن کعبؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اپنے رب کا نسب ہمیں بتایئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی (مُسند احمد، ابن ابی حاتم، ابن جریر، تِرمِذی، بخاری فی التاریخ، ابن المُنذِر، حاکم، بَیہقی)۔ ترمذی نے اسی مضمون کی ایک روایت ابوالعالیہ سے نقل کی ہے جس میں حضرت اُبَیّ بن کعبؓ کا حوالہ نہیں ہے اور اُسے صحیح تر کہا ہے۔

(۳) حضرت جابرؓ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک اَعرابی نے (اور بعض روایات میں ہے کہ لوگوں نے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اپنے رب کا نسب ہمیں بتایئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی (ابویعلیٰ، ابن جریر، ابن المُنذِر، طَبَرانی فی الاوسط، بَیہقی، ابونُعَیم فی الحِلیہ)۔

(۴) عِکرِمہ نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں کعب بن اشرف اور حُیَی بن اَخْطَب وغیرہ شامل تھے اور اُنہوں نے کہا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بتایئے کہ آپ کا وہ رب کیسا ہے جس نے آپ کو بھیجا ہے"۔ اس پر اللہ تعالیٰ

---

سلہ اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ جب وہ کسی اجنبی شخص سے تعارف حاصل کرنا چاہتے تو کہتے تھے کہ اِنسِبْهُ لَنَا، اس کا نسب ہمیں بتاؤ۔ کیونکہ اُن کے ہاں تعارف میں سب سے پہلی چیز جو دریافت طلب ہوتی تھی وہ یہ تھی کہ اُس کا نسب کیا ہے اور وہ کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی لیے انہوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھنا چاہا کہ آپ کا رب کون ہے اور کیسا ہے تو انہوں نے کہا اِنسِبْ لَنَا رَبَّكَ، اپنے رب کا نسب ہمیں بتایئے۔

نے یہ سورت نازل فرمائی (ابن ابی حاتم، ابن عَدِی، بیہقی فی الاسماء والصفات)۔

ان کے علاوہ مزید چند روایات ابن تَیمیہ نے اپنی تفسیر سورۂ اخلاص میں نقل کی ہیں جو یہ ہیں:

(۵) حضرت اَنس کا بیان ہے کہ خیبر کے کچھ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا "اے ابوالقاسم، اللہ نے ملائکہ کو نورِ حجاب سے، آدم کو مٹی کے سڑے ہوئے گارے سے، ابلیس کو آگ کے شعلے سے، آسمان کو دھوئیں سے، اور زمین کو پانی کے جھاگ سے بنایا، اب ہمیں اپنے رب کے متعلق بتائیے (کہ وہ کس چیز سے بنا ہے)" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر جبرئیل آئے اور انہوں نے کہا اے محمدؐ، ان سے کہیے هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ......

(۶) عامر بن الطُّفَیل نے حضورؐ سے کہا "اے محمدؐ، آپ کس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہیں؟" آپ نے فرمایا اللہ کی طرف۔ عامر نے کہا "اچھا تو اُس کی کیفیت مجھے بتائیے۔ وہ سونے سے بنا ہوا ہے یا چاندی سے یا لوہے سے؟" اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔

(۷) ضَحّاک اور قتادہ اور مُقاتِل کا بیان ہے کہ یہودیوں کے کچھ علماء حضورؐ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا "اے محمدؐ، اپنے رب کی کیفیت ہمیں بتائیے، شاید کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں۔ اللہ نے اپنی صفت توراۃ میں نازل کی ہے۔ آپ بتائیے کہ وہ کس چیز سے بنا ہے؟ کس جنس سے ہے؟ سونے سے بنا ہے یا تانبے سے، یا پیتل سے، یا لوہے سے، یا چاندی سے؟ اور کیا وہ کھاتا اور پیتا ہے؟ اور کس سے اُس نے دنیا وراثت میں پائی ہے اور اُس کے بعد کون اُس کا وارث ہوگا؟" اِس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

(۸) ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ نَجران کے عیسائیوں کا ایک وفد سات پادریوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے حضورؐ سے کہا "ہمیں بتائیے آپ کا رب کیسا ہے، کس چیز سے بنا ہے؟" آپ نے فرمایا میرا رب کسی چیز سے نہیں بنا ہے۔ وہ تمام اشیاء سے جدا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

اِن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مواقع پر مختلف لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس معبود کی ماہیت اور کیفیت دریافت کی تھی جس کی بندگی و عبادت کی طرف آپ لوگوں کو دعوت دے رہے تھے، اور ہر موقع پر آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُن کو جواب میں یہی سورت سنائی تھی۔ سب سے پہلے یہ سوال مکہ میں قریش کے مشرکین نے آپ سے کیا اور اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ اس کے بعد مدینۂ طیبہ میں کبھی یہودیوں نے، کبھی عیسائیوں نے، اور کبھی عرب کے دوسرے لوگوں نے حضورؐ سے اسی نوعیت کے سوالات کیے اور ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہوا کہ جواب میں یہی سورت آپ اُن کو سنا دیں۔ اِن روایات میں سے ہر ایک میں یہ جو کہا گیا ہے کہ اس موقع پر یہ سورت

نازل ہوئی تھی، اِس سے کسی کو یہ خیال نہ ہونا چاہیے کہ یہ سب روایتیں باہم متضاد ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی مسئلے کے بارے میں اگر پہلے سے کوئی آیت یا سورۃ نازل شدہ موجود ہوتی تھی تو بعد میں جب کبھی حضورؐ کے سامنے وہی مسئلہ پیش کیا جاتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آجاتی تھی کہ اس کا جواب فلاں آیت یا سورۃ میں ہے، یا اس کے جواب میں وہ آیت یا سورۃ لوگوں کو پڑھ کر سنا دی جائے۔ احادیث کے راوی اس چیز کو یوں بیان کرتے ہیں کہ جب فلاں معاملہ پیش آیا، یا فلاں سوال کیا گیا تو یہ آیت یا سورۃ نازل ہوئی۔ اس کو تکرارِ نزول سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی ایک آیت یا سورۃ کا کئی مرتبہ نازل ہونا۔

پس صحیح بات یہ ہے کہ یہ سورۃ دراصل مکی ہے بلکہ اِس کے مضمون پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مکہ کے بھی ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے جب اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بیان میں قرآن کی مفصل آیات ابھی نازل نہیں ہوئی تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت الی اللہ کو سن کر لوگ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ آخر آپ کا وہ رب ہے کیسا جس کی بندگی و عبادت کی طرف آپ لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ اِس کے بالکل ابتدائی دور کی نازل شدہ سورت ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ مکہ میں جب حضرت بلال کا آقا اُمیّہ بن خَلَف اُن کو دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر ایک بڑا سا پتھر اُن کی چھاتی پر رکھ دیتا تھا تو وہ اَحَدٌ اَحَدٌ پکارتے تھے۔ یہ لفظ اَحد اسی سورہ سے ماخوذ تھا۔

**موضوع اور مضمون** شانِ نزول کے بارے میں جو روایات اوپر درج کی گئی ہیں اُن پر ایک نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی دعوت لے کر اٹھے تھے اُس وقت دُنیا کے مذہبی تصورات کیا تھے۔ بت پرست مشرکین اُن خداؤں کو پوج رہے تھے جو لکڑی، پتھر، سونے، چاندی وغیرہ مختلف چیزوں کے بنے ہوئے تھے، شکل، صورت اور جسم رکھتے تھے۔ دیویوں اور دیوتاؤں کی باقاعدہ نسل چلتی تھی۔ کوئی دیوی بے شوہر نہ تھی اور کوئی دیوتا بے زوجہ نہ تھا۔ اُن کو کھانے پینے کی ضرورت بھی لاحق ہوتی تھی اور اُن کے پرستار اُن کے لیے اس کا انتظام کرتے تھے۔ مشرکین کی ایک بڑی تعداد اس بات کی قائل تھی کہ خدا انسانی شکل میں ظہور کرتا ہے اور کچھ لوگ اُس کے اوتار ہوتے ہیں۔ عیسائی اگرچہ ایک خدا کو ماننے کے مدعی تھے، مگر اُن کا خدا بھی کم از کم ایک بیٹا تو رکھتا ہی تھا، اور باپ بیٹے کے ساتھ خدائی میں روح القدس کو بھی حصہ دار ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حتیٰ کہ خدا کی ماں بھی ہوتی تھی اور اس کی ساس بھی۔ یہودی بھی ایک خدا کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے، مگر اُن کا خدا بھی مادیت اور جسمانیت اور دوسری انسانی صفات سے خالی نہ تھا۔ وہ ٹہلتا تھا، انسانی شکل میں نمودار ہوتا تھا، اپنے کسی بندے سے کشتی بھی لڑ لیتا تھا، اور ایک عدد بیٹے (عُزَیر) کا باپ بھی تھا۔ اِن مذہبی گروہوں کے علاوہ مجوسی آتش پرست تھے اور صابی ستارہ پرست۔ اس حالت میں جب اللہ وحدہٗ لاشریک کو ماننے کی دعوت لوگوں کو دی گئی تو اُن کے ذہن میں یہ سوالات پیدا ہونا ایک لازمی امر تھا کہ وہ رب ہے کس قسم کا جسے تمام ارباب اور معبودوں کو چھوڑ کر تنہا ایک ہی رب اور معبود

تسلیم کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ قرآن مجید کا یہ اعجاز ہے کہ اُس نے ان سوالات کا جواب چند الفاظ میں دے کر اللہ کی ہستی کا ایسا واضح تصور پیش کر دیا جو تمام مشرکانہ تصورات کا قلع قمع کر دیتا ہے اور اُس کی ذات کے ساتھ مخلوقات کی صفات میں سے کسی صفت کی آلودگی کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتا۔

**فضیلت اور اہمیت** یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اِس سورت کی بڑی عظمت تھی اور آپ مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو اِس کی اہمیت محسوس کراتے تھے، تاکہ وہ کثرت سے اِس کو پڑھیں اور عوام الناس میں اِسے پھیلائیں، کیونکہ یہ اسلام کے اولین بنیادی عقیدے (توحید) کو چار ایسے مختصر فقروں میں بیان کر دیتی ہے جو فوراً انسان کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور آسانی سے زبانوں پر چڑھ جاتے ہیں۔ احادیث میں کثرت سے یہ روایات بیان ہوئی ہیں کہ حضوؐر نے مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے لوگوں کو بتایا کہ یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، مُسند احمد، طبرانی وغیرہ میں اِس مضمون کی متعدد احادیث ابوسعید خُدری، ابوہُریرہ، ابوایوب انصاری، ابوالدّرداء، مُعاذ بن جَبَل، جابر بن عبداللہ، اُبَیّ بن کعب، امّ کلثوم بنت عُقبہ بن ابی مُعیط، ابن عمر، ابن مسعود، قَتادہ بن النُّعمان، انس بن مالک اور ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے منقول ہوئی ہیں۔ مفسّرین نے حضوؐر کے اِس ارشاد کی بہت سی توجیہات بیان کی ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ قرآن مجید جس دین کو پیش کرتا ہے اُس کی بنیاد تین عقیدے ہیں۔ ایک توحید، دوسرے رسالت، تیسرے آخرت۔ یہ سورۃ چونکہ خالص توحید کو بیان کرتی ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک تہائی قرآن کے برابر قرار دیا۔

حضرت عائشہؓ کی یہ روایت بخاری و مسلم اور بعض دوسری کتب حدیث میں نقل ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو ایک مُہم پر سردار بنا کر بھیجا اور اس پورے سفر کے دوران میں اُن کا مستقل طریقہ یہ رہا کہ ہر نماز میں وہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ؕ پر قراءت ختم کرتے تھے۔ واپسی پر اُن کے ساتھیوں نے حضوؐر سے اِس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا اُن سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے۔ اُن سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس میں رحمان کی صفت بیان کی گئی ہے اس لیے اس کا پڑھنا مجھے بہت محبوب ہے۔ حضوؐر نے یہ بات سُنی تو لوگوں سے فرمایا اخبروہ ان اللہ تعالیٰ یحبّہٗ "اُن کو خبر دے دو کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں محبوب رکھتا ہے"۔

اِسی سے ملتا جلتا واقعہ بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انصار میں سے ایک صاحب مسجدِ قُبا میں نماز پڑھاتے تھے اور اُن کا طریقہ یہ تھا کہ ہر رکعت میں پہلے قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھتے، پھر کوئی اور سورت تلاوت کرتے۔ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور ان سے کہا کہ یہ تم کیا کرتے ہو کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھنے کے بعد اسے کافی نہ سمجھ کر کوئی اور سورت بھی اُس کے ساتھ ملا لیتے ہو؟ یہ ٹھیک نہیں ہے۔

یا تو صرف اسی کو پڑھو، اور یا اسے چھوڑ کر کوئی اور سورت پڑھو۔ اُنھوں نے کہا میں اسے نہیں چھوڑ سکتا، تم چاہو تو میں تمھیں نماز پڑھاؤں ورنہ امامت چھوڑ دوں۔ لیکن لوگ اُن کی جگہ کسی اور کو امام بنانا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ آخر کار معاملہ حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے ساتھی جو کچھ چاہتے ہیں اُسے قبول کرنے میں تم کو کیا امر مانع ہے؟ تمھیں ہر رکعت میں یہ سورت پڑھنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ انھوں نے عرض کیا مجھے اِس سے بہت محبت ہے۔ آپ نے فرمایا حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ "اِس سورت سے تمہاری محبت نے تمھیں جنت میں داخل کر دیا۔"

ع ۲۷

کہو[1]، وہ اللہ[2] ہے، یکتا[3]۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں[4]۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد[5]۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے[6]۔ ع

[1] اس حکم کے اولین مخاطب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیونکہ آپ ہی سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ آپ کا رب کون اور کیسا ہے، اور آپ ہی کو حکم دیا گیا کہ اس سوال کے جواب میں آپ یہ کہیں۔ لیکن حضورؐ کے بعد ہر مومن اس کا مخاطب ہے۔ اُسے بھی وہی بات کہنی چاہیے جس کے کہنے کا حکم حضورؐ کو دیا گیا تھا۔

[2] یعنی میرے جس رب سے تم تعارف حاصل کرنا چاہتے ہو وہ کوئی اور نہیں بلکہ اللہ ہے۔ یہ اُن سوال کرنے والوں کی بات کا پہلا جواب ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ میں کوئی نیا رب لے کر نہیں آگیا ہوں جس کی عبادت، دوسرے سب معبودوں کو چھوڑ کر، میں تم سے کروانا چاہتا ہوں، بلکہ وہ وہی ہستی ہے جس کو تم اللہ کے نام سے جانتے ہو۔ "اللہ" عربوں کے لیے کوئی اجنبی لفظ نہ تھا۔ قدیم ترین زمانے سے وہ خالق کائنات کے لیے یہی لفظ استعمال کر رہے تھے اور اپنے دوسرے معبودوں میں سے کسی پر بھی اس کا اطلاق نہیں کرتے تھے۔ دوسرے معبودوں کے لیے اُن کے ہاں اِلٰہ کا لفظ رائج تھا۔ پھر اللہ کے بارے میں اُن کے جو عقائد تھے اُن کا اظہار اُس موقع پر خوب کھل کر ہو گیا تھا جب ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ اُس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ اِلٰہوں کے بت موجود تھے، مگر مشرکین نے اُن سب کو چھوڑ کر صرف اللہ سے دعائیں مانگی تھیں کہ وہ اِس بلا سے اُن کو بچائے۔ گویا وہ اپنے دلوں میں اچھی طرح جانتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ اِس نازک وقت میں اُن کی مدد نہیں کر سکتا۔ کعبے کو بھی وہ اُن اِلٰہوں کی نسبت سے بیتُ الآلِہہ نہیں، بلکہ اللہ کی نسبت سے بیتُ اللہ کہتے تھے۔ قرآن میں جگہ جگہ یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں مشرکین عرب کا عقیدہ کیا تھا۔ مثال کے طور پر:

سورۂ زُخرُف میں ہے: "اگر تم ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے" (آیت ۸۷)۔

سورۂ عنکبوت میں ہے: "اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر کر رکھا ہے، تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ۔۔۔۔ اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اُس کے

ذریعہ سے مردہ پڑی ہوئی زمین کو جلا اٹھایا، تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے" (آیات ۶۱ تا ۶۳)۔

سورۂ مومنون میں ہے: "ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ یہ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟ یہ ضرور کہیں گے اللہ کی۔۔۔۔ ان سے پوچھو ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ یہ ضرور کہیں گے اللہ۔۔۔۔ ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے؟ اور کون ہے وہ جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟ یہ ضرور جواب دیں گے کہ یہ بات تو اللہ ہی کے لیے ہے" (آیات ۸۴ تا ۸۹)۔

سورۂ یونس میں ہے: "ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں جو تمہیں حاصل ہیں، کس کے اختیار میں ہیں؟ اور کون زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کون اس نظمِ عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ" (آیت ۳۱)۔

اِسی سورۂ یونس میں ایک اور جگہ ہے: "جب تم لوگ کشتیوں پر سوار ہو کر بادِ موافق پر فرحاں و شاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکایک بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ طوفان میں گھر گئے، اُس وقت سب اپنے دین کو اللہ ہی کے لیے خالص کر کے اُس سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اِس بلا سے نجات دے دی تو ہم شکر گزار بندے بنیں گے۔ مگر جب وہ ان کو بچا لیتا ہے تو پھر وہی لوگ حق سے منحرف ہو کر زمین میں بغاوت کرنے لگتے ہیں" (آیات ۲۲-۲۳)۔



یہی بات سورۂ بنی اسرائیل میں یوں دُہرائی گئی ہے: "جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اُس ایک کے سوا دوسرے جن جن کو تم پکارا کرتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں، مگر جب وہ تم کو بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اُس سے مُنہ موڑ جاتے ہو" (آیت ۶۷)۔

اِن آیات کو نگاہ میں رکھ کر دیکھیے کہ جب لوگوں نے پوچھا کہ وہ تمہارا رب کون ہے اور کیسا ہے جس کی بندگی و عبادت کی طرف تم ہمیں بُلاتے ہو، تو انہیں جواب دیا گیا هُوَ اللّٰهُ، "وہ اللہ ہے"۔ اِس جواب سے خود بخود یہ مطلب نکلتا ہے کہ جسے تم خود اپنا اور ساری کائنات کا خالق، مالک، رازق اور مدبّر و منتظم مانتے ہو، اور سخت وقت آنے پر جسے دوسرے سب معبودوں کو چھوڑ کر مدد کے لیے پکارتے ہو، وہی میرا رب ہے اور اسی کی بندگی کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں۔ اِس جواب میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفاتِ کمالیہ آپ سے آپ آ جاتی ہیں۔ اس لیے کہ یہ بات سرے سے قابلِ تصور ہی نہیں ہے کہ کائنات کو پیدا کرنے والا، اُس کا انتظام اور اُس کے معاملات کی تدبیر کرنے والا، اُس میں پائی جانے والی تمام مخلوقات کو رزق دینے والا، اور مصیبت کے وقت اپنے بندوں کی مدد کرنے والا، زندہ نہ ہو، سنتا اور دیکھتا نہ ہو، قادرِ مطلق نہ ہو، علیم اور حکیم نہ ہو، رحیم اور کریم نہ ہو، اور سب پر غالب نہ ہو۔

**۳** نحوی قواعد کی رو سے علماء نے هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی متعدد ترکیبیں بیان کی ہیں، مگر ہمارے نزدیک اُن میں سے جو ترکیب اِس مقام کے ساتھ پوری مناسبت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ هُوَ مُبتدا ہے، اَللّٰهُ اس کی خبر ہے، اور اَحَدٌ اس کی دوسری خبر۔ اس ترکیب کے لحاظ سے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ "وہ (جس کے بارے میں تم لوگ سوال کر

رہے ہو، اللہ ہے، یکتا ہے"۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے، اور زبان کے لحاظ سے غلط نہیں ہے کہ "وہ اللہ ایک ہے"۔

یہاں سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظِ اَحَد جس طرح استعمال کیا گیا ہے وہ عربی زبان میں اس لفظ کا غیر معمولی استعمال ہے۔ معمولاً یہ لفظ یا تو مضاف یا مضاف الیہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے، جیسے یَوْمُ الْاَحَد "ہفتے کا پہلا دن"، اور فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ "اپنے کسی آدمی کو بھیجو"؛ یا نفیٔ عام کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے مَا جَآءَنِیْ اَحَدٌ "میرے پاس کوئی نہیں آیا"؛ یا عمومیت کا پہلو لیے ہوئے سوالیہ فقرے میں بولا جاتا ہے، جیسے هَلْ عِنْدَكَ اَحَدٌ؟ "کیا تمہارے پاس کوئی ہے؟"؛ یا اسی عمومیت کے پہلو سے شرطیہ جملہ میں بولا جاتا ہے، جیسے اِنْ جَآءَكَ اَحَدٌ "اگر تمہارے پاس کوئی آئے"؛ یا گنتی میں بولا جاتا ہے، جیسے اَحَدٌ، اِثْنَانِ، اَحَدَ عَشَرَ "ایک، دو، گیارہ"۔ ان استعمالات کے سوا نزولِ قرآن سے پہلے کی عربی زبان میں اس امر کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ محض لفظِ اَحَد وصف کے طور پر کسی شخص یا چیز کے لیے بولا گیا ہو۔ اور نزولِ قرآن کے بعد یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے استعمال کیا گیا ہے، دوسرے کسی کے لیے کبھی استعمال نہیں کیا گیا۔ اس غیر معمولی طرزِ بیان سے خود بخود یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یکتا و یگانہ ہونا اللہ کی خاص صفت ہے، موجودات میں سے کوئی دوسرا اس صفت سے متصف نہیں ہے۔ وہ ایک ہے، کوئی اُس کا ثانی نہیں۔

پھر جو سوالات مشرکین اور اہلِ کتاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے رب کے بارے میں کیے تھے اُن کو نگاہ میں رکھتے ہوئے دیکھیے کہ هُوَ اللّٰهُ کہنے کے بعد اَحَدٌ کہہ کر اُن کا جواب کس طرح دیا گیا ہے:

اوّلاً، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہی اکیلا رب ہے، کسی دوسرے کا ربوبیت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور چونکہ اِلٰہ (معبود) وہی ہو سکتا ہے جو رب (مالک و پروردگار) ہو، اس لیے اُلوہیت میں بھی کوئی اُس کا شریک نہیں۔

ثانیاً، اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ وہی تنہا کائنات کا خالق ہے، تخلیق کے اس کام میں کوئی اور اس کا شریک نہیں ہے۔ وہی اکیلا مالک الملک ہے، نظامِ عالم کا مدبّر و منتظم ہے، اپنی مخلوقات کا رزق رساں ہے، اور آڑے وقت میں مدد کرنے والا فریاد رس ہے۔ خدائی کے اِن کاموں میں، جن کو تم خود مانتے ہو کہ یہ اللہ کے کام ہیں، کسی دوسرے کا قطعاً کوئی حصہ نہیں ہے۔

ثالثاً، چونکہ اُنہوں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ وہ کس چیز سے بنا ہے؟ اُس کا نسب کیا ہے؟ وہ کس جنس سے ہے؟ کس سے اُس نے دنیا کی میراث پائی ہے؟ اور اُس کے بعد کون اُس کا وارث ہوگا؟ اس لیے اُن کے اِن سارے سوالات کا جواب بھی اللہ تعالیٰ کے لیے صرف ایک لفظ اَحَد بول کر دے دیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ (۱) وہی ایک خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، نہ اُس سے پہلے کوئی خدا تھا، نہ اس کے بعد کوئی خدا ہوگا۔ (۲) خداؤں کی کوئی جنس نہیں ہے جس کا وہ فرد ہو، بلکہ وہ اکیلا خدا ہے اور کوئی اُس کا ہم جنس نہیں۔ (۳) اُس کی ذات محض واحد نہیں بلکہ اَحَد ہے جس میں کسی حیثیت سے بھی کثرت کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ وہ اجزاء سے مرکّب وجود نہیں ہے جو قابلِ تجزیہ و تقسیم ہو، جو کوئی شکل اور صورت رکھتا ہو، جو کسی جگہ میں رہتا ہو یا کوئی چیز اس کے اندر جگہ پاتی ہو، جس کا کوئی رنگ ہو، جس کے کچھ اعضا ہوں، جس کی کوئی سمت اور جہت ہو، اور جس کے اندر کسی قسم کا تغیّر و تبدّل ہوتا ہو۔ تمام اقسام کی کثرتوں سے بالکل پاک اور منزّہ وہ ایک ہی ذات ہے جو ہر لحاظ سے اَحَد

ہے۔ در اس مقام پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ عربی زبان میں "واحد" کا لفظ بالکل اُسی طرح استعمال ہوتا ہے جس طرح ہم اردو میں "ایک" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ بڑی سے بڑی کثرتوں پر مشتمل کسی مجموعہ کو بھی اس کی مجموعی حیثیت کے لحاظ سے واحد یا ایک کہا جاتا ہے، جیسے ایک آدمی، ایک قوم، ایک ملک، ایک دُنیا، حتّٰی کہ ایک کائنات۔ اور کسی مجموعہ کے ہر جُزو کو الگ الگ بھی ایک ہی کہا جاتا ہے۔ لیکن اَحد کا لفظ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ اِسی لیے قرآن مجید میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے واحد کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اِلٰہ واحد' ایک ہی معبود' یا اَللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ' اکیلا اللہ جو سب کو مغلوب کر کے رکھنے والا ہے' کہا گیا ہے، محض واحد کہیں نہیں کہا گیا، کیونکہ یہ لفظ اُن چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو اپنی ذات میں طرح طرح کی کثرتیں رکھتی ہیں۔ بخلاف اِس کے اللہ کے لیے اور صرف اللہ ہی کے لیے اَحد کا لفظ مطلقاً استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ وجود میں صرف وہی ایک ہستی ایسی ہے جس میں کسی حیثیت سے بھی کوئی کثرت نہیں ہے، جس کی وَحدانیت ہر لحاظ سے کامل ہے)۔

**۳ھ** اصل میں لفظ صَمَد استعمال کیا گیا ہے جس کا مادّہ ص، م، د ہے۔ عربی زبان میں اس مادّے سے جو الفاظ نکلے ہیں اُن پر ایک نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے معانی کی وسعت کس قدر ہے:-

— اَلصَّمْدُ۔ قصد کرنا، بلند مقام جو بڑی ضخامت رکھتا ہو، سطح مُرتفع، وہ آدمی جسے جنگ میں بھوک پیاس نہ لگتی ہو، وہ سردار جس کی طرف حاجات میں رجوع کیا جاتا ہو۔

— اَلصَّمَدُ۔ ہر چیز کا بلند حصّہ، وہ شخص جس سے بالاتر کوئی دوسرا شخص نہ ہو، وہ سردار جس کی اطاعت کی جاتی ہو اور اُس کے بغیر کسی معاملہ کا فیصلہ نہ کیا جاتا ہو، وہ سردار جس کی طرف حاجتمند لوگ رجوع کرتے ہوں، دائم، بلند مرتبہ، ٹھوس جس میں کوئی خول یا جھول نہ ہو اور جس سے نہ کوئی چیز نکلتی ہو نہ اس میں داخل ہو سکتی ہو، وہ آدمی جسے جنگ میں بھوک پیاس نہ لگتی ہو۔

— اَلْمُصْمَدُ۔ ٹھوس چیز جس کا کوئی جَوف نہ ہو۔

— اَلْمُصَمَّدُ۔ مقصود جس کی طرف جانے کا قصد کیا جائے، سخت چیز جس میں کوئی کمزوری نہ ہو۔

— بَیْتٌ مُّصَمَّدٌ۔ وہ گھر جس کی طرف حاجات میں رجوع کیا جاتا ہو۔

— بِنَاءٌ مُّصْمَدٌ۔ بلند عمارت۔

— صَمَدَہٗ وَصَمَدَ اِلَیْہِ صَمْدًا۔ اُس شخص کی طرف جانے کا قصد کیا۔

— اَصْمَدَ اِلَیْہِ الْاَمْرَ۔ اُس کے سپرد معاملہ کر دیا، اُس کے آگے معاملہ پیش کر دیا، اُس کے اوپر معاملہ میں اعتماد کیا۔ (صحاح، قاموس، لسان العرب)۔

ان لُغوی معنوں کی بنا پر آیت اَللّٰہُ الصَّمَدُ میں لفظ الصَّمَد کی جو تفسیر یں صحابہ و تابعین اور بعد کے اہلِ علم سے منقول ہیں اُنہیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:-

— حضرت علیؓ، عِکرمہ اور کعب اَحبار: "صَمَد وہ ہے جس سے بالاتر کوئی نہ ہو"۔

— حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابو وائل شقیق بن سلمہ: "وہ سردار جس کی سیادت کامل ہو اور انتہا کو پہنچی ہوئی ہو"۔

— ابن عباسؓ کا دوسرا قول: "صَمَد وہ ہے جس کی طرف لوگ کسی بلا یا مصیبت کے نازل ہونے پر مدد کے لیے رجوع کریں"۔ اُن کا ایک اور قول: "وہ سردار جو اپنی سیادت میں، اپنے شرف میں، اپنی عظمت میں، اپنے حلم اور بردباری میں، اپنے علم میں اور اپنی حکمت میں کامل ہو"۔

— حضرت ابو ہریرہؓ: "وہ جو سب سے بے نیاز ہو اور سب اُس کے محتاج ہوں"۔

— عِکرِمہ کے دوسرے اقوال: "وہ جس میں سے نہ کوئی چیز کبھی نکلی ہو نہ نکلتی ہو"۔ "جو نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو"۔ اسی کے ہم معنی اقوال شَعبی اور محمد بن کعب القُرَظی سے بھی منقول ہیں۔

— سُدّی: "مطلوب چیزیں حاصل کرنے کے لیے لوگ جس کا قصد کریں اور مصائب میں مدد کے لیے جس کی طرف رجوع کریں"۔

— سعید بن جُبیر: "وہ جو اپنی تمام صفات اور اعمال میں کامل ہو"۔

— ربیع بن اَنَس: "وہ جس پر کوئی آفت نہ آتی ہو"۔

— مُقاتِل بن حَیّان: "وہ جو بے عیب ہو"۔

— ابن کَیسان: "وہ جس کی صفت سے کوئی دوسرا مُتّصِف نہ ہو"۔

— حسن بصری اور قَتادہ: "جو باقی رہنے والا اور لازوال ہو"۔ اسی سے ملتے جلتے اقوال مجاہد اور مَعمَر اور مُرّۃ الہمدانی سے بھی منقول ہیں۔

— مُرّۃ الہمدانی کا ایک اور قول یہ ہے کہ "وہ جو اپنی مرضی کے مطابق جو چاہے فیصلہ کرے اور جو کام چاہے کرے، اس کے حکم اور فیصلے پر نظر ثانی کرنے والا کوئی نہ ہو"۔

— ابراہیم نَخعی: "وہ جس کی طرف لوگ اپنی حاجتوں کے لیے رجوع کریں"۔

— ابوبکر الاَنباری: "اہلِ لغت کے درمیان اِس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ صَمَد اُس سردار کو کہتے ہیں جس سے بالاتر کوئی اور سردار نہ ہو، اور جس کی طرف لوگ اپنی حاجات اور اپنے معاملات میں رجوع کریں"۔ اسی کے قریب الزَّجّاج کا قول ہے، وہ کہتے ہیں کہ "صَمَد وہ ہے جس پر سرداری ختم ہو گئی ہو اور ہر ایک اپنی حاجات کے لیے جس کی طرف رجوع کرے"۔

اب غور کیجیے کہ پہلے فقرے میں اَللّٰہُ اَحَدٌ کیوں کہا گیا، اور اس فقرے میں اَللّٰہُ الصَّمَدُ کہنے کی کیا وجہ ہے۔ لفظ اَحَدٌ کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، کسی اور کے لیے سرے سے مستعمل ہی نہیں ہے، اس لیے اُسے اَحَدٌ، یعنی نکرہ کی صورت میں استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن صَمَد کا لفظ چونکہ مخلوقات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اس لیے اَللّٰہُ صَمَدٌ کہنے کے بجائے اَللّٰہُ الصَّمَدُ کہا گیا، جس کے

معنی یہ ہیں کہ اصلی اور حقیقی صَمَد اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مخلوق اگر کسی حیثیت سے صمد ہو بھی تو کسی دوسری حیثیت سے وہ صمد نہیں ہے، کیونکہ وہ فانی ہے، لازوال نہیں ہے، قابلِ تجزیہ و تقسیم ہے، مرکب ہے، کسی وقت اُس کے اجزا بکھر سکتے ہیں، بعض مخلوقات اُس کی محتاج ہیں تو بعض کا وہ خود محتاج ہے، اُس کی سیادت اضافی ہے نہ کہ مطلق، کسی کے مقابلے میں وہ برتر ہے تو اس کے مقابلے میں کوئی اور برتر ہے، بعض مخلوقات کی بعض حاجات کو وہ پورا کر سکتا ہے مگر سب کی تمام حاجات کو پورا کرنا کسی مخلوق کے بس میں نہیں ہے۔ بخلاف اِس کے اللہ تعالیٰ کی صَمَدیت ہر حیثیت سے کامل ہے۔ ساری دنیا اُس کی محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ دنیا کی ہر چیز اپنے وجود و بقا اور اپنی حاجات و ضروریات کے لیے شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر اُسی کی طرف رجوع کرتی ہے اور سب کی تمام حاجات پوری کرنے والا وہی ہے۔ وہ غیر فانی اور لازوال ہے۔ رزق دیتا ہے، لیتا نہیں ہے۔ مُفرد ہے، مرکب نہیں ہے کہ قابلِ تجزیہ و تقسیم ہو۔ ساری کائنات پر اس کی سیادت قائم ہے اور وہ سب سے برتر ہے۔ اس لیے وہ محض صَمَد نہیں بلکہ الصَّمَد ہے، یعنی ایک ہی ایسی ہستی جو حقیقت میں صَمَدیّت سے بتمام و کمال مُتّصِف ہے۔

پھر چونکہ وہ الصَّمَد ہے اس لیے لازم آتا ہے کہ وہ یکتا اور یگانہ ہو، کیونکہ ایسی ہستی ایک ہی ہو سکتی ہے جو کسی کی حاجتمند نہ ہو اور سب جس کے محتاج ہوں۔ دو یا زائد ہستیاں سب سے بے نیاز اور سب کی حاجت روا نہیں ہو سکتیں۔ نیز اُس کے الصَّمَد ہونے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہی ایک معبود ہو، کیونکہ انسان عبادت اُسی کی کرتا ہے جس کا وہ محتاج ہو۔ اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہ ہو، کیونکہ جو حاجت روائی کی طاقت اور اختیارات ہی نہ رکھتا ہو اُس کی بندگی و عبادت کوئی ہوشمند آدمی نہیں کر سکتا۔

**۵** مشرکین نے ہر زمانے میں خُدائی کا یہ تصور اختیار کیا ہے کہ انسانوں کی طرح خداؤں کی بھی کوئی جنس ہے جس کے بہت سے افراد ہیں، اور اُن میں شادی بیاہ اور توالُد و تَناسُل کا سلسلہ چلتا ہے۔ اس جاہلانہ تصوّر سے انہوں نے اللہ رب العالمین کو بھی پاک اور بالاتر نہیں سمجھا اور اُس کے لیے بھی اولاد تجویز کی۔ چنانچہ اہلِ عرب کا یہ عقیدہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی اُمتیں بھی اس جہالت سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ اُن کے ہاں بھی کسی بزرگ انسان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے کا عقیدہ پیدا ہو گیا۔ ان مختلف توہّمات میں دو قسم کے تصورات ہمیشہ خَلط مَلط ہوتے رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ جن کو وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دے رہے ہیں وہ اُس ذاتِ پاک کی نسبی اولاد ہے۔ اور بعض نے یہ دعویٰ کیا کہ جس کو وہ اللہ کا بیٹا کہہ رہے ہیں اُسے اللہ نے اپنا مُتَبَنّیٰ بنایا ہے۔ اگرچہ اُن میں سے کسی کی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ معاذ اللہ کسی کو اللہ کا باپ قرار دیں، لیکن ظاہر ہے کہ جب کسی ہستی کے متعلق یہ تصور کیا جائے کہ وہ توالُد و تَناسُل سے پاک نہیں ہے، اور اُس کے بارے میں یہ خیال کیا جائے کہ وہ بھی انسان کی طرح اُس قسم کی کوئی ہستی ہے جس کے ہاں اولاد پیدا ہوتی ہے، اور جس کو لاولد ہونے کی صورت میں کسی کو بیٹا بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے، تو پھر انسانی ذہن اس گمان سے محفوظ نہیں رہ سکتا کہ اُسے بھی کسی کی اولاد سمجھے۔ یہی وجہ ہے کہ جو سوالات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے گئے تھے اُن میں ایک سوال یہ تھا کہ اللہ کا نسب کیا ہے؟ اور دوسرا یہ کہ

کس سے اس نے دنیا کی میراث پائی ہے اور کون اُس کے بعد وارث ہوگا؟

اِن جاہلانہ مفروضات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ منطقی طور پر ان کو فرض کر لینے سے کچھ اور چیزوں کو بھی فرض کرنا لازم آتا ہے:

اول یہ کہ خدا ایک نہ ہو، بلکہ خداؤں کی کوئی جنس ہو، اور اس کے افراد خدائی کے اوصاف، افعال اور اختیارات میں شریک ہوں۔ یہ بات خدا کی صرف نسبی اولاد فرض کر لینے ہی سے لازم نہیں آتی، بلکہ کسی کو متبنّٰی فرض کرنے سے بھی لازم آتی ہے، کیونکہ کسی کا متبنّٰی لامحالہ اُس کا ہم جنس ہی ہو سکتا ہے، اور جب معاذ اللہ وہ خدا کا ہم جنس ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ خدائی کے اوصاف بھی رکھتا ہے۔

دوم یہ کہ اولاد کا کوئی تصور اس کے بغیر نہیں کیا جا سکتا کہ نر و مادہ میں اتصال ہو اور کوئی مادّہ باپ اور ماں کے جسم سے نکل کر بچے کی شکل اختیار کرے۔ پس اللہ کے لیے اولاد فرض کرنے سے لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ وہ ایک مادّی اور جسمانی وجود ہو، اُس کی ہم جنس کوئی اُس کی بیوی بھی ہو، اور اُس کے جسم سے کوئی مادّہ بھی خارج ہو۔

سوم یہ کہ توالد و تناسُل کا سلسلہ جہاں بھی ہے اُس کی علّت یہ ہے کہ افراد فانی ہوتے ہیں اور اُن کی جنس کے باقی رہنے کے لیے ناگزیر ہوتا ہے کہ اُن سے اولاد پیدا ہو جس سے اُن کی نسل آگے چلے۔ پس اللہ کے لیے اولاد فرض کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ بذاتِ خود معاذ اللہ فانی ہو اور باقی رہنے والی چیز خداؤں کی نسل ہو نہ کہ ذاتِ خدا۔ نیز اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ تمام فانی افراد کی طرح نعوذ باللہ خدا کی بھی کوئی ابتدا اور انتہا ہو، کیونکہ توالد و تناسل پر جن اجناس کے بقاء کا انحصار ہوتا ہے اُن کے افراد نہ ازلی ہوتے ہیں نہ ابدی۔

چہارم یہ کہ کسی کو متبنّٰی بنانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ایک لاولد شخص اپنی زندگی میں کسی مددگار کا، اور اپنی وفات کے بعد کسی وارث کا حاجت مند ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لیے یہ فرض کرنا کہ اس نے کسی کو بیٹا بنایا ہے، اُس ذاتِ پاک کی طرف لازماً وہی سب کمزوریاں منسوب کرنا ہے جو فانی اشخاص میں پائی جاتی ہیں۔

اِن تمام مفروضات کی جڑ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو اَحَد اور اَلصَّمَد کہنے سے ہی کٹ جاتی ہے، لیکن اُس کے بعد یہ ارشاد فرمانے سے کہ "نہ اُس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد"، اس معاملہ میں کسی اشتباہ کی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی۔ پھر چونکہ ذاتِ باری کے حق میں یہ تصورات شرک کے اہم ترین اسباب میں سے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے صرف سورۂ اخلاص ہی میں اُن کی صاف صاف اور قطعی و حتمی تردید کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ جگہ جگہ اس مضمون کو مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ حقیقت کو پوری طرح سمجھ لیں۔ مثال کے طور پر آیات ذیل ملاحظہ ہوں:

| | |
|---|---|
| اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ، سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (النساء-۱۷۱) | اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔ وہ پاک ہے اس سے کہ کوئی اُس کا بیٹا ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اُس کی مِلک ہے۔ |
| اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ | خوب سن رکھو، یہ لوگ دراصل اپنی من گھڑت سے |

وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ

(الصّٰفّٰت، ۱۵۱-۱۵۲)

یہ بات کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ فی الواقع یہ قطعی جھوٹے ہیں۔

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ۔

(الصّٰفّٰت ۔ ۱۵۸)

انہوں نے اللہ اور فرشتوں کے درمیان نسب کا رشتہ بنا رکھا ہے، حالانکہ فرشتے خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ (مجرموں کی حیثیت سے) پیش کیے جانے والے ہیں۔

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا، إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ

(الزخرف، ۱۵)

لوگوں نے اُس کے بندوں میں سے بعض کو اُس کا جزء بنا ڈالا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کھلا احسان فراموش ہے۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَصِفُونَ، بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ، أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ۔

(الانعام ۱۰۰-۱۰۱)

اور لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھیرا دیا، حالانکہ وہ اُن کا خالق ہے۔ اور اُنہوں نے بے جانے بوجھے اُس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں، حالانکہ وہ پاک اور بالاتر ہے اُن باتوں سے جو وہ کہتے ہیں۔ وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اُس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ کوئی اُس کی شریک زندگی ہی نہیں ہے۔ اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ۔

(الانبیآء ۔ ۲۶)

اور ان لوگوں نے کہا کہ خدائے رحمان نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ پاک ہے وہ۔ بلکہ (جن کو یہ اسکی اولاد کہتے ہیں) وہ تو بندے ہیں جنہیں عزت دی گئی ہے۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا، سُبْحَانَهُ، هُوَ الْغَنِيُّ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ إِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ بِهٰذَا۔ أَتَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔

(یونس ۔ ۶۸)

لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے، سبحان اللہ وہ تو بے نیاز ہے۔ آسمانوں میں جو کچھ ہے اور زمین میں جو کچھ ہے سب اُس کی مِلک ہے۔ تمہارے پاس اس قول کی آخر دلیل کیا ہے؟ کیا تم اللہ کے بارے میں وہ باتیں کہتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے؟

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ (بنی اسرائیل ۱۱۱)

اور (اے نبی) کہو، تعریف ہے اُس خدا کے لیے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا، نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے، اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا پشتیبان ہو۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ

اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے، اور کوئی دوسرا

مِنۡ اِلٰہٍ (المؤمنون-۹۱) خدا اس کے ساتھ نہیں ہے۔

ان آیات میں ہر پہلو سے اُن لوگوں کے عقیدے کی تردید کر دی گئی ہے جو اللہ کے لیے نسبی اولاد یا متبنّٰی بنائی ہوئی اولاد تجویز کرتے ہیں، اور اُس کے غلط ہونے کے دلائل بھی بیان کر دیے گئے ہیں۔ یہ اور اِسی مضمون کی دوسری بہت سی آیات جو قرآن مجید میں ہیں، سورۂ اخلاص کی بہترین تفسیر کرتی ہیں۔

۶ اصل میں لفظِ کُفُوًا استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں نظیر، مُشابہ، مُماثل، ہم رتبہ، مُساوی۔ نکاح کے معاملہ میں کُفو کا لفظ ہماری زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ لڑکا اور لڑکی معاشرتی حیثیت سے برابر کی جوڑ ہوں۔ پس اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ساری کائنات میں کوئی نہیں ہے، نہ کبھی تھا، نہ کبھی ہو سکتا ہے، جو اللہ کے مانند، یا اُس کا ہم مرتبہ ہو، یا جو اپنی صفات، افعال اور اختیارات میں اُس سے کسی درجہ میں بھی مشابہت رکھتا ہو۔